

قرآن فہمی میں نظریہ قطعی الدلالة: فراہی، اصلاحی اور غامدی کی فکری اساس کا تقابلی مطالعہ  
*The Concept of Qat'ī al-Dalālah in Qur'ānic Understanding: A  
Comparative Study of the Intellectual Foundations of Farāhī,  
Islāhī, and Ghāmidī*

**Nabila Zaheer (Corresponding Author)**

PhD Scholar, Department of Islamic Studies, The University of Lahore (UOL), Lahore, Pakistan.

Email: [salafiyyah323@gmail.com](mailto:salafiyyah323@gmail.com)

**Dr. Shahzada Imran Ayub**

Associate Professor, Dept of Islamic Studies, Division of Islamic & Oriental Learning,  
University of Education, Lahore, Pakistan.

Email: [shahzada.imran@ue.edu.pk](mailto:shahzada.imran@ue.edu.pk)

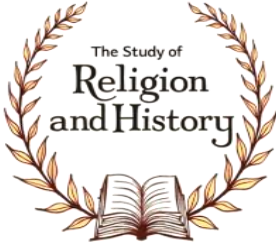
**Abstract**

*This research paper presents a comparative analysis of the concept of Qat'ī al-Dalālah (definitive indication) as developed within the Farāhī school of Qur'ānic exegesis. The study examines the intellectual foundations laid by Ḥamīd al-Dīn Farāhī (1863-1930), developed by Amīn Aḥsan Islāhī (1904-1997), and articulated by Jāved Aḥmad Ghāmidī (b. 1951). The research investigates how these three generations of scholars conceptualized definitive meaning in Qur'ānic interpretation through the principle of Nazm (coherence). The paper argues that the Farāhī school's approach represents a significant departure from classical Uṣūlī formulations, shifting the basis of textual certainty from lexical-grammatical analysis to structural-contextual coherence. Through systematic examination of primary sources, the study demonstrates a methodological evolution across the three thinkers while maintaining core commitments to Qur'ānic coherence as the hermeneutic key. The research concludes that the Farāhī school offers a distinctive theory of Qat'ī al-Dalālah integrating classical Uṣūl principles with modern hermeneutic insights.*

**Keywords:** Qat'ī al-Dalālah, Farāhī School, Nazm al-Qur'ān, Qur'ānic Hermeneutics, Uṣūl al-Tafsīr, Islamic Epistemology, Ghamidi

**تعارف موضوع**

قرآن فہمی میں قطعی الدلالة کا تصور علم اصول تفسیر اور اصول فقہ کے بنیادی مباحث میں شمار ہوتا ہے۔ اس اصطلاح سے مراد وہ نصی دلالت ہے جو کسی قسم کے تاویلی یا تفسیری احتمال سے ماورا ہو، اور جس کے معنی میں کسی شک یا شبہ کی گنجائش موجود نہ ہو۔ کلاسیکی اصولیوں نے قطعی الدلالة کی تعریف زیادہ تر لسانی و نحوی قواعد کی بنیاد پر کی ہے، جبکہ فراہی مکتب فکر نے اس تصور کو وسعت دے کر اس میں نص کے سیاق و سباق، سورتوں کے درمیان ارتباط، اور مجموعی قرآنی ساخت (نظم) کو شامل کیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ فراہی،



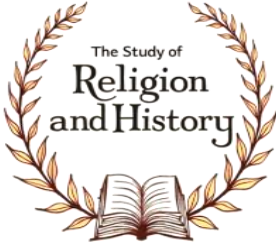
اصلاحی اور غامدی کی فکری اساس کا تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے، جس میں ان کے ہاں قطعی الدلالت کے تصور کے ارتقا اور اس کی عملی تطبیقات کا جائزہ لیا جائے گا۔

تاریخی اعتبار سے یہ بحث انیسویں صدی کے آخر میں برصغیر میں وجود میں آئی، جب حمید الدین فراہی (1863-1930ء) نے قرآن فہمی کے لیے ایک نیا استقرائی طریقہ کار پیش کیا۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ قرآن کی آیات اور سورتیں ایک منظم اور مربوط ساخت (نظم قرآن) کی حامل ہیں، اور اس ساخت سے واقفیت کے بغیر قطعی معنی تک پہنچنا ممکن نہیں۔ ان کے شاگرد امین احسن اصلاحی (1904-1997ء) نے اس تصور کو مزید ترقی دی اور قرآن کو سات گروہوں میں تقسیم کر کے ہر گروہ کے مرکزی موضوع کی نشاندہی کی۔ جاوید احمد غامدی (پیدائش 1951ء) نے تیسری نسل کے طور پر اس فکری ورثے کو معاصر تقاضوں کے مطابق پیش کیا اور اسے اپنی تفسیر "البیان" اور فکری تصانیف میں عملی شکل دی۔

اس موضوع کی تحقیقی ضرورت اس لیے بھی اہم ہے کہ قطعی الدلالت کا تصور کسی بھی فقہی یا تفسیری نظام کی اساس ہوتا ہے۔ جب تک یہ واضح نہ ہو کہ قرآن کے کس حصے کی دلالت قطعی ہے اور کس حصے میں ظنی، تب تک کسی بھی علمی استدلال کو حتمیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ فراہی مکتب نے اس باب میں جو نظریہ پیش کیا ہے، وہ کلاسیکی فہم سے نمایاں اختلاف رکھتا ہے اور معاصر علمی حلقوں میں اس پر سنجیدہ بحث جاری ہے۔ آگے کے مباحث میں ہم پہلے فراہی کی فکری اساس کا جائزہ لیں گے، جس میں ان کے نظریہ نظم، دائرہ معانی، اور قطعی دلالت کے معیارات کو تفصیل سے پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد اصلاحی کی فکری اساس کا تجزیہ کریں گے، جہاں سورتوں کی جفت بندی، مرکزی موضوع، اور سات گروہوں کی تقسیم جیسے تصورات کو زیر بحث لائیں گے۔ تیسرے محث میں غامدی کی فکری اساس کو معاصر سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھیں گے، جہاں قطعی الدلالت کے تقاضوں، سنت کے ساتھ تعلق، اور شریعت کے ابواب میں تطبیق جیسے موضوعات شامل ہوں گے۔ آخر میں ان تینوں کے نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

### محث اول: فراہی کی فکری اساس۔ نظریہ نظم اور قطعی الدلالت کے بنیادی معیارات

حمید الدین فراہی کا فکری نظام نظریہ نظم پر استوار ہے، جس کے مطابق قرآن کی آیات اور سورتیں ایک نامیاتی کلیت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ کلاسیکی اصولی روایت سے ہٹ کر قطعی الدلالت کی بنیاد کو لفظی وضع سے ہٹا کر سیاق و سباق اور مجموعی قرآنی ساخت پر منتقل کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قطعی الدلالت کا انحصار چار چیزوں پر ہے: لفظ کی لغوی وضع، سیاق و سباق، سورت کا مرکزی موضوع، اور دوسری آیات کے ساتھ ارتباط۔ فراہی کے ہاں "محکم" آیات وہ ہیں جن کا سیاق واضح ہو اور ان کے معنی میں کوئی احتمال باقی نہ ہو، جبکہ "متشابہ" آیات وہ ہیں جن کا سیاق متعین نہ ہو اور وہ دو یا زیادہ معانی پر محتمل ہوں۔



## 1. نظریہ نظم اور قرآن کی ہمہ گیر ساخت

نظریہ نظم فراہی کے فکر کا محور ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیف "نظام القرآن" کے مقدمے میں تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کی آیات اور سورتیں ایک انتہائی منظم اور مربوط اسلوب میں ترتیب دی گئی ہیں۔ اس کی وضاحت کے لیے فراہی خود قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

﴿كِتَابٌ أَحْكَمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾<sup>1</sup>

ترجمہ: "یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو محکم کر دیا گیا، پھر تفصیل سے بیان کیا گیا، ایک حکمت والے، باخبر ذات کی طرف سے۔" اس آیت میں "أُحْكِمَتْ" سے فراہی یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کی آیات میں ایک بنیادی استحکام اور مضبوطی پائی جاتی ہے، اور "ثُمَّ فُصِّلَتْ" سے مراد یہ ہے کہ اس محکم ساخت کے اندر تفصیلی موضوعات کو اس طرح رکھا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ فراہی کے نزدیک اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مفسر پہلے قرآن کی مجموعی ساخت کو سمجھے، پھر اس کے اندر موجود تفصیلات کی طرف متوجہ ہو۔ اگر یہ ترتیب الٹ دی جائے تو قطعی دلالت تک پہنچنا ممکن نہیں رہتا۔ مزید برآں، فراہی نے سورہ فاتحہ کو قرآن کے مجموعی نظام کا نمونہ قرار دیا ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾<sup>2</sup>

ترجمہ: "سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"

﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾<sup>3</sup>

ترجمہ: "بڑا مہربان، نہایت رحم والا۔"

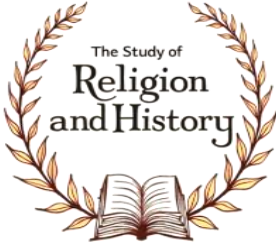
﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾<sup>4</sup>

ترجمہ: "جزا کے دن کا مالک۔"

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾<sup>5</sup>

ترجمہ: "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

ان آیات کے بعد فراہی کہتے ہیں کہ یہ پانچ آیات دراصل پورے قرآن کا خلاصہ ہیں: پہلی آیت میں اللہ کی ربوبیت، دوسری میں رحمت، تیسری میں عدالت، چوتھی میں عبادت، اور پانچویں میں استعانت کا ذکر ہے۔ پوری قرآن کی سورتیں انہی پانچ بنیادی موضوعات کی تفصیل و تشریح ہیں۔ اس طرح فراہی یہ ثابت کرتے ہیں کہ نظم قرآن کا یہ اعلیٰ ترین نمونہ ہمیں بتاتا ہے کہ قطعی دلالت کے لیے ضروری ہے کہ ہم کسی بھی آیت کو اس کے وسیع تر سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھیں۔



## 2. دائرہ معانی اور قطعی دلالت کا معیار

فراہی نے اپنی تصنیف "رسائل فی القرآن" میں "دائرہ معانی" کا تصور پیش کیا ہے۔ اس کے مطابق قرآن کے ہم معنی الفاظ ایک مخصوص دائرے میں منظم ہوتے ہیں، اور ہر لفظ کا اصل معنی اس کے سیاق و سباق سے طے ہوتا ہے نہ کہ صرف لغوی معنی سے۔ فراہی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

«إِنَّ الْقُرْآنَ قَدْ وَضَعَ لِكُلِّ لَفْظَةٍ حَدًّا فِي اسْتِعْمَالِهِ، لَا يُجَاوِزُهُ إِلَّا فِي الْأَحْوَالِ الَّتِي يُبَيِّنُهَا  
السِّيَاقُ»<sup>6</sup>

ترجمہ: "یقیناً قرآن نے ہر لفظ کے استعمال کی ایک حد مقرر کر دی ہے جو اس سے تجاوز نہیں کر سکتی، سوائے ان صورتوں کے جنہیں سیاق و سباق واضح کر دیتا ہے۔"

اس اصول کی روشنی میں فراہی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قطعی دلالت کا انحصار صرف لفظ کے لغوی معنی پر نہیں ہے، بلکہ اس کے استعمال کے سیاق و سباق، اس کے دائرہ معانی، اور پوری سورت کے مرکزی موضوع پر ہے۔ مثال کے طور پر لفظ "أُمَّة" کا لغوی معنی تو "گروہ" ہے، لیکن قرآن کے مختلف مقامات پر اس کے مختلف معنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿وَأَذَكَّرَ بَعْدَ أُمَّةٍ﴾<sup>7</sup>

ترجمہ: "اور ایک زمانے کے بعد اسے یاد آیا۔"

﴿إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾<sup>8</sup>

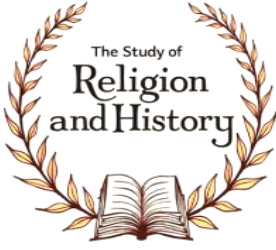
ترجمہ: "یقیناً یہ تمہاری امت ہے، ایک ہی امت۔"

یہاں پہلی آیت میں "أُمَّة" کے معنی "زمانہ" یا "مدت" کے ہیں، جبکہ دوسری میں معنی "گروہ ایمان" کے ہیں۔ سیاق و سباق کے بغیر اگر ہم صرف لغوی معنی پر اکتفا کریں تو ہم کبھی بھی اس نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے کہ کس مقام پر کون سا معنی مراد ہے۔ جب سیاق و سباق کو سامنے رکھا جائے تو ان تمام موارد میں دلالت قطعی ہو جاتی ہے۔ فراہی کے نزدیک یہی وہ نقطہ ہے جہاں ان کا نظریہ قطعی دلالت کلاسیکی اصولی روایت سے الگ ہو جاتا ہے۔

## 3. نظم کی روشنی میں قطعی اور ظنی کی تمیز

فراہی کے نزدیک قطعی دلالت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مطلوب معنی پوری سورت کے مرکزی موضوع (عمود) کے ساتھ ہم آہنگ ہو، اور وہ اس طرح متعین ہو کہ کوئی معارض دلیل موجود نہ ہو۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں اس اصول کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ فراہی لکھتے ہیں:

«لَا يَكُونُ الْحُكْمُ بِقَطْعِيَّةِ الدَّلَالَةِ إِلَّا بَعْدَ النَّظَرِ فِي الْغَرَضِ الْأَصْلِيِّ لِلسُّورَةِ وَمَقَاصِدِهَا الْكُلِّيَّةِ،  
فَإِذَا وَافَقَتِ الْآيَةُ ذَلِكَ الْغَرَضَ وَلَمْ يُعَارِضْهَا نَصٌّ آخَرُ صَرِيحٌ فِيهَا قَطْعِيَّةُ الدَّلَالَةِ»<sup>9</sup>



ترجمہ: "قطعیت دلالت کا حکم اس وقت تک نہیں دیا جاسکتا جب تک سورت کے اصل مقصد اور اس کے کلی مقاصد پر غور نہ کر لیا جائے۔ اگر آیت اس مقصد کے مطابق ہو اور کوئی دوسری صریح نص اس کے خلاف نہ ہو تو وہ قطعی الدلالت ہے۔"

اس اصول کی تطبیق کے لیے سورہ بقرہ کی آیت 115 کو دیکھا جاسکتا ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ﴾<sup>10</sup>

ترجمہ: "اور مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، پس جدھر بھی منہ کرو وہیں اللہ کی ذات ہے۔"

اس آیت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، لہذا نماز کسی بھی جانب منہ کر کے پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن جب اسے سورہ بقرہ کے مرکزی موضوع (بنی اسرائیل کی سرکشی اور احکام شریعت) کے ساتھ دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قبلہ کی جانب رخ کرنے کی اہمیت کو کم کرنے کے بجائے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے، لہذا قبلہ کی طرف رخ کرنے میں کوئی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔ فراہی کے نزدیک پوری سورت کے مقصد کے ساتھ ہم آہنگی کے بعد یہ آیت بھی اپنی جگہ قطعی دلالت رکھتی ہے۔ اگر کوئی اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں، تو وہ دوسری صریح آیات (جیسے بقرہ: 144) کے خلاف ہو گا، اس لیے یہ فہم درست نہیں ہو گا۔

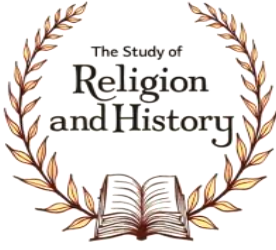
#### 4. فراہی کے ہاں قطعی الدلالت کے منابع اور درجات

فراہی نے قطعی الدلالت کے تین بڑے ذرائع بیان کیے ہیں: قرآن، سنت متواترہ، اور اجماع صحابہ۔ ان کے نزدیک قرآن میں جہاں کوئی حکم صراحت کے ساتھ بیان ہو اور اس کے معنی میں کسی قسم کا کوئی احتمال نہ ہو، وہاں وہ حکم قطعی الدلالت کا حامل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآنی مثال ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾<sup>11</sup>

ترجمہ: "اور چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔"

یہ آیت لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے قطعی ہے۔ اس کے لفظ میں کوئی ابہام نہیں، اس کا سیاق بھی واضح ہے، اور پوری سورہ مائدہ کے مرکزی موضوع (احکام و شرائع) کے ساتھ بھی یہ ہم آہنگ ہے۔ فراہی کے نزدیک ایسی آیات میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں، اور یہی وہ مقام ہے جہاں ان کا نظریہ قطعی الدلالت کلاسیکی اصولیوں سے ملتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فراہی نے اسے ایک وسیع تر فریم ورک میں رکھ کر دیکھا ہے۔ اس کے برعکس، ظنی الدلالت وہ ہے جہاں نص کے الفاظ میں کچھ ابہام ہو، یا سیاق و سباق کی وجہ سے متعدد احتمالات پیدا ہو جائیں۔ ایسی صورت میں مجتہد کو اجتہاد سے کام لینا ہوتا ہے، اور اس کا نتیجہ ظنی ہوتا ہے، قطعی نہیں۔



مبحث دوم: اصلاحی کی فکری اساس۔ سورتوں کی جفت بندی اور مرکزی موضوع کا تصور

امین احسن اصلاحی نے فراہی کے نظریہ کو مزید ترقی دی اور اسے عملی صورت میں پیش کیا۔ ان کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پورے قرآن کو سات بڑے گروہوں میں تقسیم کیا اور ہر سورت کے مرکزی موضوع (عمد) کی نشاندہی کی۔ ان کے نزدیک کسی بھی آیت کی قطعی دلالت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس سورت کے مرکزی موضوع کو دریافت کیا جائے، پھر اسے سات گروہوں کے نظام میں رکھ کر دیکھا جائے، اور آخر میں جفت سورتوں کے درمیان تعلق کو سمجھا جائے۔ اصلاحی نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" کے مقدمے میں ان تمام اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ فراہی کی طرح قطعی الدلالت کی بنیاد کو لفظی وضع سے ہٹا کر مجموعی قرآنی ساخت پر منتقل کرتے ہیں، لیکن وہ فراہی سے آگے بڑھ کر عملی تطبیقات پیش کرتے ہیں۔

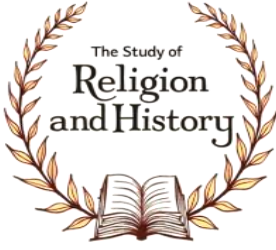
### 1. قرآن کی سات گروہوں میں تقسیم

اصلاحی کے نزدیک قرآن کو سات بڑے گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اور یہ تقسیم دراصل اس حقیقت کا مظہر ہے جسے قرآن نے "سَبْعًا مِّنَ الْمُثَانِي" سے تعبیر کیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمُثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾<sup>12</sup>

ترجمہ: "اور یقیناً ہم نے آپ کو سات مثنیٰ اور عظیم قرآن عطا کیا ہے۔"

اصلاحی کے نزدیک "سَبْعًا مِّنَ الْمُثَانِي" سے مراد قرآن کے وہ سات بڑے گروہ ہیں جو پوری کتاب کو مد نظر رکھتے ہوئے بنائے گئے ہیں۔ ہر گروہ میں کئی اور مدنی سورتوں کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ پہلے کئی سورتیں آتی ہیں (جو نبوت کے ابتدائی دور کی دعوت بیان کرتی ہیں)، پھر مدنی سورتیں (جو مدینہ منورہ میں ریاست مدینہ کے قیام اور احکام شریعت پر مشتمل ہیں)۔ اصلاحی کی یہ تقسیم درج ذیل ہے: پہلا گروہ (سورہ فاتحہ تا سورہ مائدہ) بنیادی عقائد اور احکام پر مشتمل ہے؛ دوسرا گروہ (سورہ انعام تا سورہ توبہ) توحید اور شرک کے خلاف جدال پر مبنی ہے؛ تیسرا گروہ (سورہ یونس تا سورہ حج) انبیائے کرام کے قصص اور مشرکین کے ساتھ مجاہد پر مشتمل ہے؛ چوتھا گروہ (سورہ المؤمنون تا سورہ فرقان) نبوت اور اس کے دلائل پر ہے؛ پانچواں گروہ (سورہ الشعراء تا سورہ احقاف) انبیاء کے قصص اور قیامت کے دلائل پر ہے؛ چھٹا گروہ (سورہ محمد تا سورہ فتح) جہاد اور قتال کے احکام پر ہے؛ ساتواں گروہ (سورہ الحجرات تا سورہ الناس) معاشرتی احکام اور روحانی تربیت پر ہے۔ اس تقسیم کی روشنی میں اصلاحی نے ہر آیت کی دلالت کو اس کے گروہ کے مرکزی مقصد کے ساتھ ہم آہنگ کر کے دیکھا ہے۔



## 2. جفت سورتوں کا تصور

اصلاحی نے یہ بھی دریافت کیا کہ قرآن کی بیشتر سورتیں جوڑوں (pairs) میں ترتیب دی گئی ہیں۔ اس کی ایک بہترین مثال سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہیں۔ اصلاحی کے نزدیک یہ دونوں سورتیں ایک جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی تائید میں اصلاحی خود قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾<sup>13</sup>

ترجمہ: "اللہ نے بہترین حدیث نازل کی ہے (ایسی) کتاب جس کی (آیتیں) باہم ملتی جلتی ہیں، (اور اس میں)

جفتیاں ہیں، جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔"

اصلاحی "مَثَانِي" (جفتیاں) سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کی آیات اور سورتوں میں جفت بندی (pairing) ایک واضح اسلوب ہے۔ جب دو سورتیں آپس میں جفت ہو جائیں تو ان کے درمیان موجود روابط اور مماثلتیں ان کی مجموعی دلالت کو قطعیت عطا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کے درمیان اگر کوئی آیت ایک میں کچھ کہے اور دوسری میں اس کی تکمیل ہو تو ان دونوں کو اکٹھا دیکھے بغیر قطعی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کی سرکشی کا تذکرہ ہے تو سورہ آل عمران میں عیسائیوں کے غلط عقائد کا محاسبہ کیا گیا ہے۔ ان دونوں سورتوں کو ایک ساتھ دیکھنے سے اہل کتاب کے بارے میں قرآن کے موقف کی قطعی تصویر سامنے آتی ہے۔

## 3. عمد (مرکزی موضوع) اور قطعی دلالت کا تعلق

اصلاحی کے فکر کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ ہر سورت کا ایک "عمد" (مرکزی موضوع یا محور) ہوتا ہے، اور سورت کی تمام آیات اسی عمد کے گرد گھومتی ہیں۔ جب مفسر اس عمد کو دریافت کر لیتا ہے تو اس کے لیے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ ہر آیت کی دلالت کو اس عمد کی روشنی میں سمجھے، اور اس طرح اس کی دلالت قطعیت کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ اصلاحی نے اپنے مقدمہ تدریس قرآن میں لکھا ہے:

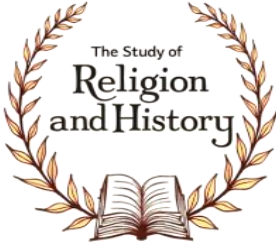
«كُلُّ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ تَدُورُ عَلَى عَمُودٍ وَاحِدٍ، وَجَمِيعُ آيَاتِهَا تَخْدِمُ هَذَا الْغَرَضَ الْأَصْلِيَّ، فَإِذَا

عُرِفَ هَذَا الْعَمُودُ صَارَتْ كُلُّ آيَةٍ قَطْعِيَّةً الدَّلَالَةَ فِي مَوْضِعِهَا»<sup>14</sup>

ترجمہ: "قرآن کی ہر سورت ایک ہی محور (عمد) پر گھومتی ہے، اور اس کی تمام آیات اسی اصل مقصد کو سرفراز

کرتی ہیں۔ جب یہ عمد معلوم ہو جائے تو ہر آیت اپنے مقام پر قطعی دلالت ہو جاتی ہے۔"

اس اصول کی مثال سورہ یوسف ہے۔ اس سورت کا عمد یہ ہے کہ اللہ کی مدد صبر اور تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، اور جو لوگ اپنے ایمان میں مضبوط ہوں، اللہ ان کے دشمنوں کو ان کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ اس عمد کو سامنے رکھتے ہوئے سورت کی ہر آیت کو پڑھا



جائے تو اس کے معنی میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ یہ طریقہ کار اس سے بالکل مختلف ہے جہاں مفسرین ہر آیت کو الگ تھلگ کر کے اس کی تفسیر کرتے ہیں۔

#### 4. اصلاحی کے ہاں قطعی الدلالت کی عملی تطبیقات

اصلاحی نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں ان اصولوں کو عملی طور پر لاگو کیا ہے۔ ان کے نزدیک کسی بھی آیت کی تفسیر کرتے وقت سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ آیت کس سورت میں ہے، اس سورت کا مرکزی موضوع کیا ہے، وہ سورت کس گروہ میں شامل ہے، اور اس کی جفت سورت کون سی ہے۔ ان تمام عناصر کو سامنے رکھنے کے بعد ہی آیت کے قطعی معنی تک پہنچا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ کی آیت 256 "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" کو اصلاحی نے سورہ بقرہ کے مرکزی موضوع (بنی اسرائیل کی سرکشی اور انہیں نصیحت) کے تناظر میں دیکھا ہے، اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ آیت جہاد کے حکم کو منسوخ نہیں کرتی، بلکہ یہ اہل کتاب کے ساتھ مباحثے کے اصول کو بیان کرتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے سورہ توبہ کی آیت 5 (قتال کی آیت) کو اس سورت کے مرکزی موضوع (مشرکین کے ساتھ معاہدوں کی پابندی) کے تناظر میں دیکھا ہے۔ یہ ان کے طریقہ کار کی عملی مثالیں ہیں۔

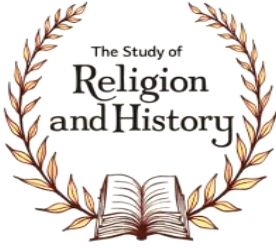
#### مبحث سوم: غامدی کی فکری اساس۔ معاصر سیاق میں نظریہ قطعی الدلالت کی تطبیق

جاوید احمد غامدی نے فراہی اور اصلاحی کے نظریات کو معاصر سیاق و سباق میں پیش کرتے ہوئے ان کی تطبیق کو مزید وسعت دی ہے۔ غامدی کے نزدیک قطعی الدلالت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی آیت یا حدیث جس معنی پر دلالت کر رہی ہو، وہ معنی اس کے سیاق و سباق، پوری سورت کے مرکزی موضوع، اور قرآن کے مجموعی مقاصد کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے معنی میں کسی صحیح احتمال کی گنجائش نہ ہو۔ غامدی نے قطعی الدلالت کے لیے تین شرائط پیش کی ہیں: صراحت لفظ، اتفاق سیاق، اور عدم معارض۔ وہ حدیث کو قرآن کے تابع کرتے ہیں اور شریعت کے مختلف ابواب میں ان اصولوں کو عملی طور پر لاگو کیا ہے۔

#### 1. قطعی الدلالت کے تین تقاضے (صراحت لفظ، اتفاق سیاق، عدم معارض)

غامدی اپنی تصنیف "میزان" میں قطعی الدلالت کے لیے تین بنیادی شرائط بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب تک یہ تینوں شرائط پوری نہ ہوں، کسی بھی نص کی دلالت کو قطعی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ غامدی لکھتے ہیں:

«إِنَّ الْقَطْعِيَّةَ فِي الدَّلَالَةِ لَا تَنْبُتُ إِلَّا إِذَا اجْتَمَعَتْ فِي النَّصِّ ثَلَاثَةٌ شُرُوطٌ: أَحَدُهَا صَرَاحَةُ اللَّفْظِ فِي الْمَعْنَى الْمَقْصُودِ، وَثَانِيهَا اتِّفَاقُ السِّيَاقِ مَعَ هَذَا الْمَعْنَى، وَثَالِثُهَا عَدَمُ وُجُودِ أَيِّ مُعَارِضٍ صَحِيحٍ يُخَالِفُ هَذَا الْفَهْمَ»<sup>15</sup>



ترجمہ: "دلالت میں قطعیت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب نص میں تین شرائط جمع ہو جائیں: اول، لفظ کی صراحت مطلوب معنی میں؛ دوم، سیاق و سباق کا اس معنی سے موافقت؛ تیسرا، کسی صحیح معارض کا وجود نہ ہو جو اس فہم کے خلاف ہو۔"

غامدی نے یہاں ایک واضح فریم ورک پیش کیا ہے۔ پہلی شرط "صراحت لفظ" ہے، یعنی لفظ کا معنی لغوی طور پر واضح ہو اور اس میں کوئی ابہام نہ ہو۔ دوسری شرط "اتفاق سیاق" ہے، یعنی آیت کے اگلے پچھلے جملے اور پوری سورت کا مرکزی موضوع اس معنی کی تائید کرے۔ تیسری شرط "عدم معارض" ہے، یعنی قرآن یا سنت میں کوئی دوسری نص ایسی نہ ہو جو اس سے مختلف معنی دے رہی ہو۔ ان تینوں شرائط کے جمع ہونے کے بعد ہی دلالت کو قطعی کہا جاسکتا ہے۔ ان شرائط میں سے کسی ایک سے دلالت ظنی ہو جاتی ہے، جہاں مجتہد کو اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔

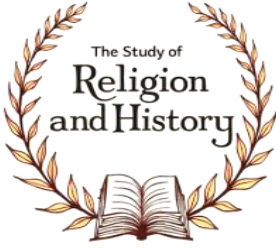
## 2. سنت کے ساتھ تعلق اور قرآن کی فوقیت

غامدی کے فکر میں قطعی الدلالت کے تصور کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ حدیث (سنت) کو قرآن کے تابع کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سنت کی حیثیت یہ ہے کہ وہ قرآن کی تشریح اور توضیح کرتی ہے، لیکن وہ قرآن کے خلاف کوئی نیا حکم نہیں لاسکتی اور نہ ہی قرآن کی کسی قطعی دلالت کو منسوخ کر سکتی ہے۔ جہاں حدیث اور قرآن میں تعارض ہو، وہاں قرآن کو مقدم کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾<sup>16</sup>

ترجمہ: "اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔"

غامدی اس آیت کی روشنی میں کہتے ہیں کہ قرآن کا فیصلہ حتمی اور قطعی ہوتا ہے۔ جب قرآن کسی معاملے میں کوئی حکم دے دے تو پھر کسی حدیث کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اس حکم کی تشریح کر سکتی ہے، اسے عملی شکل دے سکتی ہے، لیکن اس کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکتی۔ اگر کوئی حدیث قرآن کے خلاف معلوم ہوتی ہے، تو اسے یا تو صحیح معنوں میں سمجھنا چاہیے (کیونکہ وہ دراصل قرآن کی تشریح کر رہی ہوتی ہے) یا پھر اگر اس کے باوجود تعارض باقی رہے تو اسے قابل قبول نہیں سمجھا جاسکتا۔ غامدی کے نزدیک یہ اصول فراہی مکتب کی ایک بنیادی خصوصیت ہے۔



### 3. شریعت کے مختلف ابواب میں قطعی الدلالت کی تطبیق

غامدی نے اپنی فقہی تصانیف (خاص طور پر "میزان" اور "البیان") میں نظریہ قطعی الدلالت کو شریعت کے مختلف ابواب پر عملی طور پر لاگو کیا ہے۔ مثال کے طور پر حدود (سزاؤں) کے باب میں وہ صرف ان جرائم کو حد کے قابل گردانتے ہیں جن کے بارے میں قرآن میں کوئی صریح اور قطعی حکم موجود ہو۔ غامدی کے اس موقف کی بنیاد قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا﴾<sup>17</sup>

ترجمہ: "یہ اللہ کی حدیں ہیں، لہذا ان سے تجاوز نہ کرو۔"

غامدی کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حدود اللہ صرف وہی ہیں جن کو قرآن نے خود متعین کیا ہے۔ جہاں قرآن خاموش ہے، وہاں کسی بھی انسان یا مجتہد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے سے نئی حد مقرر کرے۔ اسی بنا پر وہ زنا کی حد کے بارے میں (صرف قرآن کی روشنی میں) غیر شادی شدہ افراد کے لیے کوڑوں کی تعداد (100 کوڑے) کو تو برقرار رکھتے ہیں، لیکن شادی شدہ افراد کے لیے رجم (سنگساری) کو قرآن میں عدم موجودگی کی بنا پر مسترد کر دیتے ہیں۔ یہ ان کے نزدیک قطعی الدلالت کا ایک عملی مظہر ہے: جہاں قرآن کا حکم قطعی ہے، وہاں کسی بھی دوسری نص (چاہے وہ حدیث متواتر ہی کیوں نہ ہو) کو اس پر مقدم نہیں کیا جاسکتا۔

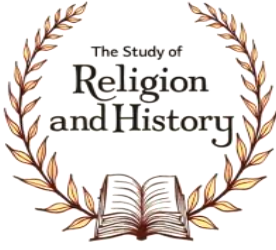
### 4. غامدی کے ہاں قطعی الدلالت کے معاصر تطبیقات کے اصول

غامدی نے معاصر دور میں پیش آنے والے نئے مسائل کے حل کے لیے بھی قطعی الدلالت کے اصولوں کو استعمال کیا ہے۔ ان کے نزدیک جب کوئی نیا مسئلہ پیش آئے تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن میں اس کے بارے میں کوئی قطعی حکم موجود ہے یا نہیں۔ اگر موجود ہے تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اگر موجود نہیں، تو پھر سنت متواترہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اگر وہاں بھی کوئی حکم نہ ملے، تو پھر اجماع صحابہ کو دیکھا جائے گا۔ ان تینوں ذرائع سے بھی اگر کوئی حکم ثابت نہ ہو، تو پھر وہ مسئلہ "مباح" کے زمرے میں آئے گا، یعنی اس میں انسان آزاد ہے کہ وہ اپنی مصلحت کے مطابق فیصلہ کرے۔ غامدی نے اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾<sup>18</sup>

ترجمہ: "وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔"

اس آیت کی روشنی میں غامدی کہتے ہیں کہ اصل بنیاد یہ ہے کہ تمام چیزیں انسان کے لیے حلال اور مباح ہیں، جب تک کوئی قطعی دلیل ان کی حرمت ثابت نہ کر دے۔ یہ اصول غامدی کے فقہی نظام کا بنیادی اصول ہے اور اسی پر ان کے معاصر تطبیقات استوار ہیں۔



مبحث چہارم: فراہی، اصلاحی اور غامدی کے نظریات کا تقابلی جائزہ

تینوں مفکرین نے قطعی الدلالت کے تصور کو کلاسیکی اصولی روایت سے ہٹ کر ایک نئے زاویے سے دیکھا ہے، لیکن ان کے درمیان بعض اہم فرق بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ بحث ان تینوں کے نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کرے گا، جس میں ان کے مشترکات، اختلافات، اور علمی ارتقا کے مراحل کو واضح کیا جائے گا۔

### 1. تینوں مفکرین کے نظریات کے مشترکات

تینوں مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ قطعی الدلالت کا انحصار صرف لفظ کے لغوی معنی پر نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے سیاق و سباق، سورت کے مرکزی موضوع، اور پورے قرآن کی مجموعی ساخت کو سمجھنا ضروری ہے۔ تینوں ہی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن کی آیات اور سورتیں ایک منظم اور مربوط نظام (نظم) کی حامل ہیں، اور اس نظام کو سمجھے بغیر کسی بھی آیت کے قطعی معنی تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ تینوں ہی اس بات پر بھی متفق ہیں کہ جہاں قرآن میں کوئی حکم صراحت کے ساتھ موجود ہو اور اس کی دلالت قطعی ہو، وہاں کسی بھی دوسری نص (خواہ وہ حدیث ہی کیوں نہ ہو) کو اس پر مقدم نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کی یہ آیت تینوں کے نزدیک اس اصول کی بنیاد ہے:

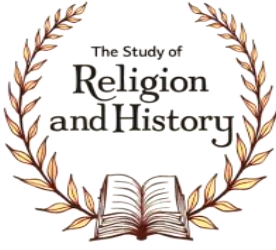
﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾<sup>19</sup>

ترجمہ: "اور جس چیز میں تم نے اختلاف کیا، اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔"

تینوں کا کہنا ہے کہ اختلافات کے حل کی واحد قطعی صورت قرآن کی طرف رجوع ہے۔ اسی طرح تینوں نے اجماع صحابہ کو بھی قطعی الدلالت کا ذریعہ مانا ہے، بشرطیکہ وہ صحیح طریقے سے ثابت ہو۔ یہ مشترکہ اصول فراہی مکتب کی پہچان ہیں۔

### 2. نظریہ نظم کی تطبیق میں فروق

اگرچہ تینوں نظریہ نظم کو مانتے ہیں، لیکن اس کی تطبیق میں فرق پایا جاتا ہے۔ فراہی نے نظریہ نظم کو بنیادی طور پر سورتوں کے درمیان ارتباط اور ہر سورت کے مرکزی موضوع کی سطح پر لاگو کیا ہے۔ انہوں نے قرآن کو نو گروہوں میں تقسیم کیا تھا (جسے بعد میں اصلاحی نے سات گروہوں میں تبدیل کر دیا)۔ اصلاحی نے فراہی کے نظریہ نظم کو مزید ترقی دی اور اسے عملی صورت میں پیش کیا۔ انہوں نے نہ صرف سات گروہوں کی تقسیم کی بلکہ ہفت سورتوں (مثالی) کے تصور کو بھی تفصیل سے بیان کیا۔ غامدی نے تیسری نسل کے طور پر انہی اصولوں کو معاصر سیاق و سباق میں ڈھالا اور انہیں جدید علمی زبان میں پیش کیا۔ غامدی نے نظریہ نظم کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے "صراحت لفظ، اتفاق سیاق، عدم معارض" کی تین شرائط پیش کیں، جو فراہی اور اصلاحی کے ہاں بالکل اسی طرح موجود نہیں تھیں۔



### 3. سنت سے متعلقہ موقف میں فرق

تینوں کے درمیان سنت (حدیث) کے حوالے سے بھی کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ فراہی نے سنت کو قرآن کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے، لیکن ان کے ہاں سنت متواترہ اور سنت غیر متواترہ کے درمیان واضح فرق ہے۔ اصلاحی نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ تاہم، غامدی نے اس موقف کو مزید واضح کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ سنت کی حیثیت صرف قرآن کی تشریح و توضیح ہے، وہ قرآن کے خلاف کوئی نیا حکم نہیں لاسکتی۔ غامدی اس سلسلے میں ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں:

«إِنِّي أَوْتَيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ»<sup>20</sup>

ترجمہ: "مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کی مانند (سنت) بھی دی گئی ہے۔"

غامدی کے نزدیک "مثله" سے مراد یہ ہے کہ سنت کتاب کی تابع ہے، اس کے خلاف نہیں۔ یہ تفسیر فراہی اور اصلاحی کے ہاں بھی موجود ہے، لیکن غامدی نے اسے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔

### 4. اختلاف کی نوعیت اور علمی ارتقا

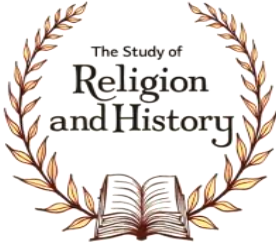
ان تینوں مفکرین کے درمیان اختلاف دراصل علمی ارتقا کا حصہ ہے نہ کہ بنیادی تضاد کا۔ فراہی نے اس مکتب فکر کی بنیاد رکھی، اصلاحی نے اسے عملی شکل دی، اور غامدی نے اسے معاصر تقاضوں کے مطابق ڈھال کر پیش کیا۔ ہر ایک نے اپنے پیش رو کے کام کو آگے بڑھایا اور اس میں اضافہ کیا۔ مثال کے طور پر، اصلاحی نے فراہی کی نوگروہی تقسیم کو سات گروہوں میں تبدیل کیا، جسے وہ "سَبْعَاةٌ مِنَ الْمَنَافِي" سے تعبیر کرتے ہیں۔ غامدی نے اصلاحی کی اس تقسیم کو قبول کیا ہے اور اسے اپنی تحریروں میں استعمال کیا ہے۔ اسی طرح غامدی نے "صراحت لفظ، اتفاق سیاق، عدم معارض" کی تین شرائط پیش کر کے قطعی الدلالت کے تصور کو مزید واضح کیا ہے۔ یہ سب اس بات کے شواہد ہیں کہ یہ مکتب فکر ایک زندہ اور متحرک فکری روایت ہے جو اپنے اندر ارتقا کی گنجائش رکھتی ہے۔

### خلاصہ بحث

مندرجہ بالا تفصیلی تجزیے کے بعد ہم درج ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

اول: فراہی، اصلاحی اور غامدی تینوں نے قطعی الدلالت کے تصور کو کلاسیکی اصولی روایت سے ہٹ کر ایک نئے زاویے سے دیکھا ہے۔ ان کے نزدیک قطعی الدلالت کا انحصار صرف لفظ کی لغوی وضع پر نہیں ہے، بلکہ وسیع تر سیاق و سباق، پوری سورت کے مرکزی موضوع، اور قرآن کے مجموعی مقاصد پر ہے۔

دوم: فراہی نے نظریہ نظم کی بنیاد ڈالی اور یہ ثابت کیا کہ قرآن کی ہمہ گیر ساخت (organic structure) کو سمجھے بغیر کسی بھی آیت کے قطعی معنی تک پہنچنا ممکن نہیں۔ ان کا دائرہ معانی کا تصور بھی اسی تناظر میں اہمیت رکھتا ہے۔



سوم: اصلاحی نے فراہی کے نظریہ نظم کو مزید ترقی دی اور اسے عملی شکل میں پیش کیا۔ قرآن کی سات گروہوں میں تقسیم، سورتوں کی جفت بندی، اور ہر سورت کے مرکزی موضوع (عمد) کا تصور ان کی اہم علمی دریافتوں میں شامل ہیں۔ انہوں نے ان اصولوں کو اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں تفصیل سے پیش کیا۔

چہارم: غامدی نے انہی اصولوں کو معاصر سیاق و سباق میں ڈھال کر پیش کیا اور انہیں شریعت کے مختلف ابواب پر عملی طور پر لاگو کیا۔ انہوں نے قطعی الدلالت کے لیے تین شرائط (صراحت لفظ، اتفاق سیاق، عدم معارض) پیش کیں اور قرآن کو سنت پر مقدم رکھنے کا اصول واضح کیا۔

پنجم: ان تینوں مفکرین کے درمیان بنیادی فکری تسلسل پایا جاتا ہے، تاہم بعض جزئیات (جیسے اصلاحی کا فراہی کی نو گروہی تقسیم کو سات گروہوں میں تبدیل کرنا) پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف علمی ارتقا کا حصہ ہے نہ کہ بنیادی تضاد کا۔ ششم: فراہی مکتب کا قطعی الدلالت کا نظریہ کلاسیکی اصولی روایت سے انحراف کرتا ہے، اس لیے اس پر تنقید بھی کی گئی ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ یہ نظریہ قرآن کی ظاہری دلائل کو کمزور کرتا ہے اور تاویل کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بہر حال، فراہی مکتب کے علمائے ان تنقیدوں کے علمی جوابات بھی دیے ہیں۔

### تجاویز و سفارشات

اس تحقیقی مطالعے کی روشنی میں درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

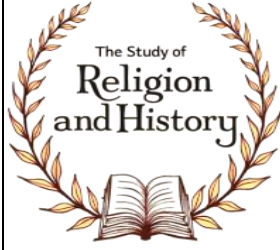
اول: جامعات اور دینی مدارس کے نصاب میں تفسیر کے ساتھ ساتھ "اصول تفسیر" کو بھی ایک الگ اور اہم مضمون کے طور پر پڑھایا جائے، جس میں فراہی مکتب کے نظریہ نظم اور قطعی الدلالت کے تصور کو بھی شامل کیا جائے۔ اس سے طلبہ کو قرآن فہمی کے لیے ایک جامع اور مربوط طریقہ کار حاصل ہوگا۔

دوم: فراہی، اصلاحی اور غامدی کی اصل تصانیف کا اردو اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے انہیں عامۃ الناس کے لیے آسان بنایا جائے۔ خاص طور پر "تدبر قرآن" اور "میزان" جیسی کتب کا مطالعہ عام کیا جائے۔

سوم: تحقیقی ادارے ان تینوں مفکرین کے فکری نظام پر مزید تقابلی تحقیقات کریں، خاص طور پر ان کے فقہی اور تفسیری اصولوں کا دوسرے مکاتب فکر (مثلاً دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث) کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے۔

چہارم: معاصر مسائل (جیسے بینکاری، جدید ٹیکنالوجی، طب، معاشیات) کے حل کے لیے فراہی مکتب کے اصولوں کو استعمال کرتے ہوئے تحقیقی ورکشاپس اور سیمینارز کا انعقاد کیا جائے، تاکہ ان اصولوں کی عملی افادیت کو پرکھا جاسکے۔

پنجم: فراہی مکتب کے اصولوں پر تنقیدی جائزے بھی کیے جائیں اور مخالفین کے دلائل کا علمی محاکمہ کیا جائے، تاکہ اس مکتب کے علمی مقام کا تعین مزید واضح ہو سکے۔



## THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: [3006-3329](#)

ISSN E: [3006-3337](#)

### حواشی وحوالہ جات

- 1 ہود، 1:11-
- 2 الفاتحہ، 2:1-
- 3 الفاتحہ، 3:1-
- 4 الفاتحہ، 4:1-
- 5 الفاتحہ، 5:1-
- 6 فراہی، حمید الدین، رساکنل فی القرآن (اعظم گڑھ: دارالمصنفین، 1930ء)، 45-
- 7 یوسف، 45:12-
- 8 المؤمنون، 52:23-
- 9 فراہی، حمید الدین، تفسیر نظام القرآن (اعظم گڑھ: دارالمصنفین، 1935ء)، 1:120-
- 10 البقرہ، 115:2-
- 11 المائدہ، 38:5-
- 12 الحج، 87:15-
- 13 الزمر، 23:39-
- 14 اصلاحی، امین احسن، مقدمہ تدبر قرآن (لاہور: فکشن ہاؤس، 2001ء)، 85-
- 15 غامدی، جاوید احمد، میزان (لاہور: المورد، 2002ء)، 150-
- 16 الاحزاب، 36:33-
- 17 البقرہ، 229:2-
- 18 البقرہ، 29:2-
- 19 الثوری، 10:42-
- 20 احمد بن حنبل، المسند، رقم الحدیث: 17174-